سورۃ البقرہ (۲۲)

(آیات ۳۱، ۳۲)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۲۲ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ
لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲

۲:۲۲:۱ اللغۃ

۲:۲۲:۱(۱) [وَعَلَّمَ] "وَ" (اور) ۔ عَلَّمَ کا مادہ ع ل م اور وزن "فَعَّلَ"

© rasailojaraid

ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (علِم یعلَم : جان لینا) کے معنی و استعمال وغیرہ پر بات ہو چکی ہے [البقرہ : ۱۳ یعنی ۲ : ۱۰ : ۱ (۳)]

لفظ "عَلَّمَ" اس مادہ (علم) سے باب تفعیل کے فعل ماضی معروف کا کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس باب سے فعل "علّم ..... یُعَلِّمُ تَعْلِیْمًا" کے معنی ہیں: "..... کو سکھانا، سکھلانا، بتا دینا، تعلیم دینا، ..... کو ..... کا علم دینا۔" باب تفعیل کی خاصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے راغب نے (مفردات) میں تعلیم کے معنی "کثرت اور تکرار کے ساتھ پڑھانا سکھانا تاکہ بات (سبق) سیکھنے والے کے ذہن نشین ہو جائے" بتائے ہیں۔ اس فعل کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں جسے سکھایا جائے اور جو چیز سکھائی جائے۔ دونوں مفعول بنفسہٖ (صلہ کے بغیر) آتے ہیں جیسے "عَلَّمَهُ الْكِتَابَةَ" (اس نے اسے لکھنا سکھایا) البتہ (۱) بعض دفعہ مفعول اول محذوف کر دیا جاتا ہے جیسے "عَلَّمَ الْقُرْآنَ" (الرحمٰن : ۲) — اور (۲) کبھی مفعول ثانی حذف کر دیا جاتا ہے جو سیاقِ عبارت سے سمجھا جاتا ہے جیسے "وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ" (البقرہ : ۲۸۲) (۳) کبھی دونوں مفعول محذوف ہوتے ہیں جیسے "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" (العلق : ۴) (۴) اور بعض دفعہ مفعول ثانی سے پہلے باء (بِ) کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا ترجمہ "جتلانا" سے کرنا زیادہ موزوں ہوتا ہے جیسے "أَتُعَلِّمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُمْ" (الحجرات : ۱۶) میں ہے۔ ان تمام مواقعِ استعمال پر حسبِ موقع بات ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

اس باب تفعیل (تعلیم) سے افعال کے مختلف صیغے چالیس سے زائد جگہ اور اسم مشتق (مفعول) کا صرف ایک صیغہ "مُعَلَّمٌ" ایک ہی جگہ (الدخان : ۱۴) قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں۔

۲ : ۲۲ : ۱ (۲) [آدَمَ] بعض اہل لغت (مثلاً راغب) کے نزدیک "آدم" کا مادہ "ادم" اور وزن "أَفْعَلُ" (غیر منصرف) ہے۔ اس کی اصلی شکل "ءَأْدَمُ" تھی۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد مختلف ابواب سے مختلف معنی کے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

لیے آتا ہے۔ مثلاً اَدَمَ یاْدِمُ اَدْمًا (باب ضرب سے) کے معنی ہیں (۱) صلح صفائی کرانا (۲) (جانور کی) کھال کو صاف کرنا (۳) روٹی کو شوربے میں ڈالنا۔ اور اسی سے عربی میں سالن کو "اِدامٌ" کہتے ہیں ___ اور اَدِمَ یاْدَمُ اُدْمَۃً (باب سمع سے) کے معنی ہوتے ہیں "رنگ میں "سمرہ" ہونا یعنی سرخ یا گندمی رنگ کا ہونا" عام عربی زبان میں یہ مادہ مزید فیہ کے بعض ابواب سے بھی مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے ___ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کے فعل کا کوئی صیغہ کہیں وارد نہیں ہوا۔

● "اَدِمَ" (باب سمع سے) کے معنی سے آدَمُ بروزن "اَفْعَلُ"۔ گہرے گندمی یا بھورے رنگ والے کو کہتے ہیں۔ اس کی مؤنث "اَدْماءُ" اور جمع (ہر دو کے لیے) "اُدْمٌ" بروزن "فُعْلٌ" ہے (کیونکہ یہ افعل الوان وعیوب والا وزن ہے)۔ گویا "آدم" دراصل اسم صفت ہے اور آدم کے نام کو اس کی جلد کے (عمومی) رنگ سے مناسبت ہے۔

بعض اہل علم کے نزدیک "آدم" غیر عربی لفظ ہے۔ اور اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ عجمیت (عجمی ہونا) اور علمیت (نام ہونا) کا اکٹھا ہونا ہے۔ گویا ایک عربی مادے سے اس کی مناسبت محض اتفاق ہے۔ اس قسم کے کئی اور عجمی الفاظ بھی چل کر ہمارے سامنے آئیں گے۔

● بہر حال دونوں صورتوں میں "آدم" سے مراد عموماً "انسانِ اوّل" یا "ابو البشر" لیا جاتا ہے۔ اور اسی سے آدمیوں کے لیے قرآن کریم میں لفظ "بنی آدم" (آدم کی اولاد) استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ "آدم" سترہ جگہ اور "بنی آدم" آٹھ دفعہ آیا ہے۔ اور اس کے جملہ مواقع استعمال کو سامنے رکھتے ہوئے اسی "انسانِ اوّل" یعنی "ابو البشر" (سب بشر کا باپ) والے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

۱:۲۲:۱ (۳) [اَلْاَسْمَاءَ] کا مادہ "س م و" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "اَفْعَالٌ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اسمائُ" تھی مگر الف ممدودہ کے بعد آنے

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

والی "د" (یا "ی") کو عرب ھمزہ میں بدل کر بولتے اور لکھتے ہیں۔ "اسماءٌ" جمع مکسر ہے اور اس کا مفرد (واحد) "اِسمٌ" ہے جس کا اردو فارسی ترجمہ "نام" ہے۔ اس مادہ (س م و) سے فعل مجرد کے باب اور معنی کے علاوہ لفظ "اسم" کی مکمل لغوی وضاحت "بسم اللہ" کی بحث میں کی جا چکی ہے۔ ۱:۱:۱:(۱) میں۔

[کُلَّهَا] جو "کُلٌّ" (بمعنی سب، تمام) + ھَا (ضمیر مجرور مؤنث بمعنی اس کا/ان کا) کا مرکب ہے۔ اس ترکیب اضافی کا لفظی ترجمہ ہے "اس کے سب" جس کا بامحاورہ ترجمہ "وہ سب کے سب، کل کے کل، سارے کے سارے" ہے۔ لفظ "کلٌّ" کے مادہ اور اس کے استعمال کے ضروری قواعد البقرہ : ۲۰ یعنی ۲:۱۵:۱:(۹) میں بیان ہو چکے ہیں۔

[ثُمَّ] کا اردو ترجمہ "پھر، اس کے بعد" ہے۔ اس کلمہ کے مادہ، معنی اور استعمال کے بارے میں البقرہ : ۲۸ یعنی ۲:۲۰:۱:(۴) میں بات ہو چکی ہے۔

۲:۲۲:۱:(۴) [عَرَضَهُمْ] یہ فعل "عَرَضَ" اور ضمیر منصوب "ھم" (بمعنی "ان کو") کا مجموعہ ہے۔ "عَرَضَ" کا مادہ "ع ر ض" اور وزن "فَعَلَ" ہے۔ یعنی یہ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد کا فعل ماضی کا پہلا صیغہ (واحد مذکر غائب) ہے۔ یہ فعل مجرد عرَض ..... یعرِض عَرْضًا (زیادہ تر باب ضرب سے) مختلف اور متعدد معنی کے لیے ـــــ لازم متعدی دونوں طرح ـــــ استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بنیادی معنی (بصورت لازم) "سامنے ظاہر ہونا، پیش آنا" ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں عرَض الشیءُ (چیز ظاہر ہوئی۔ سامنے آئی) اور بصورت متعدی اس کے معنی "حاضر یا ظاہر کرنا، ...... کے سامنے پیش کرنا" ہوتے ہیں۔ جو چیز پیش کی جائے وہ بطور مفعول بنفسہٖ مذکور ہوتی ہے اور جس کے سامنے پیش کی جائے اس کا ذکر "علی" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے "عرَض الشیءَ علٰی فلانٍ" (اس نے چیز کو فلاں کے سامنے پیش کیا)۔

© rasailojaraid

● اسی باب (ضرب) سے یہ فعل بعض دیگر معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور باب نصر، سمع اور کرم میں بھی یہ متعدد مختلف معانی دیتا ہے جس کی تفصیل کسی اچھی معجم (ڈکشنری) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تاہم قرآن کریم میں یہ فعل مجرد نہ تو "ضرب" کے علاوہ کسی دوسرے باب سے آیا ہے اور نہ ہی مذکورہ بالا معنی کے علاوہ کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے ماضی اور مضارع (معروف و مجہول) کے مختلف صیغے کل بارہ (۱۲) جگہ آئے ہیں اور ہر جگہ صرف بنیادی معنی یعنی "پیش کرنا، سامنے رکھنا یا کرنا یا لانا، حاضر کرنا" (متعدی) کے لیے ہی آیا ہے۔ یہاں زیر مطالعہ لفظ میں اسی لیے اردو مترجمین نے "سامنے کیا، روبرو کر دیا، پیش کیا، سامنے رکھا" سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ایک آدھ مترجم نے "دکھائے" بھی ترجمہ کیا ہے جسے بلحاظ مفہوم ہی درست کہا جا سکتا ہے۔

ثلاثی مجرد کے علاوہ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب (تفعیل اور افعال) سے فعل کے مختلف صیغے اور متعدد جامد اور مشتق اسماء ــ قرآن کریم میں ستر کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنے موقع پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ] یہاں "علی" فعل "عرض" کے صلہ کے طور پر آیا ہے (اوپر دیکھئے "عرضھم" میں عرض کے استعمال کا طریقہ) اور یہاں یہ (علی) "پر" یا "کے سامنے" کے معنی میں ہے۔ (یعنی فرشتوں کے سامنے کیا)۔ لفظ "الملائکہ" (بمعنی فرشتے یا فرشتوں) کے مادہ وغیرہ کی لغوی بحث ابھی اوپر البقرہ: ۳۰ یعنی ۲:۲۱:۱(۲) میں گزر چکی ہے۔

[فَقَالَ] "پس اس نے کہا"۔ غالباً اب آپ کو ان کے معنی وغیرہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ فائے عاطفہ اور فعل "قال" کئی دفعہ آ چکے ہیں۔

© rasailojaraid

بہرحال اگر چاہیں تو " فَ " کے لیے البقرہ :۲۲ یعنی ۲ : ۱۶ : ۱ (۱۰) اور "قال" کے مادہ ، باب، معنی اور تعلیل وغیرہ کے بارے میں البقرہ : ۲۰ یعنی ۲ : ۲۱ : ۱ (۱) کے بعد دیکھیے۔ فعل "قال یقول" کی لغوی بحث سب سے پہلے البقرہ : ۸ یعنی ۲ : ۷ : ۱ (۵) میں ہوئی تھی۔

۲ : ۲۲ : ۱ (۵) [اَنْبِئُوْنِیْ] کا مادہ " ن ب أ " اور موجودہ وزن "اَفْعِلُوْنِیْ" ہے۔ اس میں آخری " نی " تو یائے متکلم یعنی ضمیر منصوب " ی " ہے جس سے پہلے والا " ن " نون وقایہ ہے۔ اس طرح اس " نِی " کا ترجمہ تو ہوگا "مجھ کو یا مجھے"۔ باقی فعل " انبئُوا " بروزن " اَفْعِلُوْا " ہے۔

اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " نبأ ینبأ " (باب فتح سے) مختلف مصدروں (نبأ، نبوءًا اور نباءۃً) کے ساتھ ___ اور صلہ کے بغیر اور "عن" اور "علی" کے صلوں کے ساتھ بھی ___ لازم متعدی مختلف معنوں کے لیے آتا ہے۔ مثلاً " بلند ہونا ، ہلکی آواز نکالنا ، ...... پر غالب آنا ، ...... سے دور ہو جانا " وغیرہ۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل مجرد کا کسی معنی میں بھی کوئی صیغۂ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ مزید فیہ کے ابواب تفعیل ، اِفعال اور استفعال سے مختلف صیغے پچاس کے قریب ___ اور مختلف جامد و مشتق کلمات سو سے زائد ___ مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔

● زیرِ مطالعہ کلمہ " انبئونی " اس مادہ (نبأ) سے باب اِفعال کے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس باب (اِفعال) سے فعل " اَنبأَ ..... یُنْبِئُ اِنباءً " کے معنی ہیں: "...... کو خبر دینا ، ...... کو بتلانا" ___ اور اس کے لیے دو مفعول درکار ہوتے ہیں۔ جس کو خبر دی جائے اور جس چیز کی خبر دی جائے۔ عموماً دونوں مفعول بنفسہٖ (بغیر صلہ کے) آتے ہیں اور بعض دفعہ دوسرے مفعول سے پہلے " باء " (بِ) کا صلہ بھی آتا ہے مثلاً کہیں گے " اَنبأَہٗ الخبرَ یا اَنبأَہٗ بالخبرِ " (اس کو خبر بتلائی) ___ قرآن مجید میں اس

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

مادہ سے باب اِفعال کے صیغے کل چار جگہ آئے ہیں ۔ دو جگہ فعل ماضی اور دو جگہ فعل امر کی صورت میں ۔ جن میں سے ایک یہ (زیر مطالعہ) ہے ۔ اس طرح اس کا ترجمہ بنتا ہے "تم بتاؤ" یا خبر دو" ۔۔۔ یہ صرف صیغہ امر (انبئوا) کا ترجمہ ہے ۔ "نی" کا ترجمہ پہلے ہو چکا ہے ۔

[بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ] یہ بِ + اسماء + ھؤلاء کا مرکب ہے ۔ اس میں باء (بِ) تو اس فعل (انبأ) کا وہ صلہ ہے جو مفعول ثانی (جو یہاں "اسماء" ہے) پر لگتا ہے اور جس کا قاعدہ ابھی اوپر "انبئونی" میں بیان ہوا ہے ۔ اگر فعل "اَنبأ" کا ترجمہ "خبر دینا یا آگاہ کرنا" سے کیا جائے تو یہاں اس "ب" کا ترجمہ ..... کی (خبر دو) یا ..... سے (آگاہ کرو) ہوگا ۔ اور اگر اس فعل کا ترجمہ "بتلانا یا بتانا" سے کیا جائے تو اردو محاورہ میں اس (بِ) کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ صرف "بتلاؤ تو" یا "بتاؤ تو" سے کام چل جائے گا ۔ لفظ "اسماء" (ناموں) کی لغوی وضاحت ابھی اوپر اسی زیر مطالعہ آیت میں ہو چکی ہے ۔ اور "ھؤلاء" اسم اشارہ قریب جمع (برائے مذکر و مؤنث) ہے جس کا ترجمہ یہاں "یہ سب" یا "ان سب" یا صرف "ان کے" کے ساتھ ہوگا ۔ اسماء اشارہ کے بارے میں کچھ اصولی باتیں البقرہ: ۲ یعنی ۲ : ۱ : ۱ (۱) میں بیان ہوئی تھیں ۔

[اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ] یہ پورا جملہ اس سے پہلے البقرہ : ۲۳ یعنی ۲ : ۱۷ : ۱ (۱۰) میں گزر چکا ہے ۔ اور اس کے تینوں اجزاء (یعنی "اِنْ" ، "کنتم" اور "صادقین") کی مکمل لغوی وضاحت بھی وہاں ہو چکی ہے ۔ ضرورت ہو تو "اِنْ" کے معانی و استعمال کے لیے ۲ : ۱۷ : ۱ (۱) اور "کنتم" کی ساخت وغیرہ کے لیے بھی یعنی ۲ : ۱۷ : ۱ (۱) کے ساتھ ہی بعد میں اور "صادقین" کی لغوی وضاحت کے لیے ۲ : ۱۷ : ۱ (۱۰) میں دیکھئے ۔

۲ : ۲۲ : ۱ (۱۲) [قَالُوْا سُبْحٰنَكَ] قالوا (جس کا مادہ "ق و ل" اور

© rasailojaraid

وزنِ اصلی "فَعَلُوْا" ہے، کے مادہ، باب وغیرہ پر البقرہ : ۸ یعنی ۲ : ۷ : ۱ (۵) میں اور خود اسی لفظ (قالوا) کی بناوٹ کے بارے میں البقرہ: ۱۱ میں یعنی ۲ : ۹ : ۱ (۴) کے ساتھ ہی بات ہو چکی ہے ۔

"سُبْحٰنَکَ" دراصل دو لفظوں "سبحان" اور "کَ" (ضمیر مجرور بمعنی تیری / تیرا) سے مرکب ہے، اس میں کلمۂ "سُبْحٰن" (یہ اس کی رسم املائی ہے، رسمِ عثمانی پر آگے بات ہو گی) کا مادہ "س ب ح" اور وزن "فُعْلَانٌ" ہے۔ (یہاں "سبحانَ" کے آخری "ن" کی فتحہ (ــَــ) کی وجہ ابھی آگے "الاعراب" میں بیان ہو گی) ۔

اس مادہ سے فعل مجرد وغیرہ کی بحث ابھی گزشتہ آیت (البقرہ : ۳۰) یعنی ۲ : ۲۱ : ۱ (۷) میں لفظ [illegible] کے ضمن میں گزر چکی ہے ۔

یہ کلمہ (سبحان) اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "سَبَحَ (الرجلُ) یَسْبَحُ سبحانًا" (باب فتح سے) کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں "(آدمی) کا "سبحان اللہ" کہنا" یعنی "اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا" یعنی یہ اسی مادہ سے باب تفعیل کے مصدر "تسبیح" کا ہم معنی ہے جس پر ۲ : ۲۱ : ۱ (۷) میں بات ہوئی تھی ۔ اس طرح کلمہ "سبحانَکَ" لفظی ترجمہ تو بنتا ہے : "تیری پاکیزگی بیان کرنا" مگر اردو محاورے میں اس کا ترجمہ "پاکی ہے تجھے" یا "تو پاک (ذات) ہے" سے کیا جاتا ہے ۔ اس ترجمہ کی اعرابی توجیہ اور بامحاورہ ترجمہ کی نحوی بنیاد پر مزید بات ابھی آگے بحث "الاعراب" میں ہو گی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

[لَاعِلْمَ لَنَا] یہ لَا + علم + لَ (جو دراصل لام الجر "لِ" ہے مگر ضمیروں کے ساتھ فتحہ (ــَــ) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے) + نَا (ضمیر مجرور بمعنی "ہمارا") کا مرکب ہے ۔

"لَا" یہاں نفی جنس کا ہے [دیکھئے ۲ : ۱ : ۱ (۲) میں] جس کا ترجمہ "کسی قسم کا"، "کوئی بھی" سے ہو گا ۔ لفظ "عِلْم" کے مادہ (ع ل م) اور باب فعل وغیرہ (عَلِمَ یَعْلَمُ = جاننا) پر البقرہ : ۱۳ یعنی ۲ : ۱۰ : ۱ (۳) میں بات ہو چکی ہے ۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

بنیادی طور پر یہ لفظ (علم) اس فعل کا مصدر ہے اور اس کے معنی "جاننا" ہیں مگر یہ اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی "معلوم یا جانی ہوئی چیز" یا "معلومات"۔ اور خود یہ لفظ (علم) بھی اردو میں عام مستعمل ہے اس لیے "لاعلم" کا ترجمہ "کچھ بھی علم نہیں" یا "کچھ بھی معلوم نہیں" ہوگا۔ اور "لَنَا" کے لفظی ترجمہ "ہمارے لیے" کی بجائے اردو محاورے کے لحاظ سے "ہم کو" زیادہ موزوں ہے۔ اس طرح "لاعلم لنا" کا ترجمہ ہوا "ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں"، اسی کو مزید بامحاورہ کرتے ہوئے بعض نے "ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے" ترجمہ کیا ہے۔

[اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا] یہ تین کلمات ہیں "اِلَّا، مَا اور عَلَّمْتَنَا"۔ ان میں سے پہلا یعنی "اِلَّا" حرفِ استثناء ہے جس کا اردو ترجمہ "مگر، سوائے، کے سوا" ہے، اس (اِلَّا) کے استعمال پر البقرہ: ۹ یعنی ۲:۸:۱(۳) بات ہو چکی ہے۔ دوسرا کلمہ "مَا" یہاں موصولہ ہے جس کا ترجمہ "جو کچھ کہ یا صرف جو کہ" ہوگا۔ اس (مَا) کے معنی و استعمال کی البقرہ: ۳ یعنی ۲:۲:۱(۵) وضاحت ہو چکی ہے۔ تیسرا لفظ "عَلَّمْتَنَا" ہے جو "عَلَّمْتَ + نا (بمعنی ہم کو)" کا مرکب ہے۔ اس میں فعل "عَلَّمْتَ" کا مادہ "ع ل م" اور وزن "فَعَّلْتَ" ہے (اس مادہ سے فعل مجرد پر البقرہ: ۱۳ یعنی ۲:۱۰:۱(۳) میں بات ہو چکی ہے) "عَلَّمْتَ" اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور اس باب سے فعل "علّم یعلّم تعلیمًا" کے معنی (سکھانا، پڑھانا، تعلیم دینا، علم دینا) پر بھی ابھی اوپر البقرہ: ۳۱ ـــ ۲:۲۲:۱(۱) میں بحث ہو چکی ہے۔

اس طرح "الا مَا علّمتنا" کا لفظی ترجمہ ہے: "مگر وہ جو کچھ کہ تو نے سکھایا ہم کو"۔

[اِنَّكَ اَنْتَ] یہ "اِنَّ" (بے شک، یقینًا) + "كَ" (ضمیر منصوب بمعنی "تو") + "اَنْتَ" (ضمیر مرفوع بمعنی "تو") کا مرکب ہے۔ "تو" کے دو دفعہ آنے کی وجہ سے (یا یوں کہئے کہ ضمیر فاصل "انت" کی وجہ سے)

© rasailojaraid
© rasailojaraid

" اِنَّكَ اَنْتَ " کا ترجمہ " بے شک تو ہی ہے " سے کیا جائے گا۔

۲:۲۲:۱(۷) [اَلْعَلِیْمُ] کا مادہ " ع ل م " اور وزن (لام تعریف نکال کر) " فَعِیْلٌ " ہے۔ جو فعل ثلاثی مجرد " علِم یعلَم عِلماً (دیکھئے ۲:۱۰:۱(۳)) سے صفت مشبہ کا وزن ہے اس کا ترجمہ " بہت جاننے والا، ہر وقت اور سب کچھ جاننے والا " ہونا چاہئیے مگر مختصراً " بڑا جاننے والا " ہی کر لیا جاتا ہے اور اسی لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ " اصل دانا " ، " اصل جاننے والا " ، " بڑے علم والا " اور " بڑا علم والا " کے ساتھ کیا ہے۔

۲:۲۲:۱(۸) [اَلْحَکِیْمُ] کا مادہ " ح ک م " اور وزن لام تعریف کے بغیر " فعیل " ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " حکَم یحکُم حُکماً (عموماً باب نصر سے) سے آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی " فیصلہ کرنا، حکم دینا یا چلانا " ہوتے ہیں۔ اور اسی باب نصر سے یہ بطور فعل متعدی بھی استعمال ہوتا جس کے معنی : " .....کو منع کرنا، ......کو روک دینا " ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں " حکَمَهٗ یحکُمہ " (اس نے اسے منع کیا)۔ اور " حکُم یحکُم حکماً " (باب کرم سے) بھی آتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں : " دانائی اور حکمت والا ہونا " ۔

قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد (باب نصر سے) کے مختلف صیغے ۴۵ سے زیادہ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے بعض ابواب (افعال، تفعیل اور تفاعل) سے چند صیغے اور اسی مادہ سے ماخوذ و مشتق کلمات (مثل حُکم، حکمۃ، حکام وغیرہ) ڈیڑھ سو سے زیادہ مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔

● لفظ " الحکیم " اس مادہ (ح ک م) کے فعل مجرد (باب کرُم) سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس لیے اس کا ترجمہ " بہت بڑا دانا " ، " بڑی دانائی والا " ، " ہر وقت اور ہمیشہ دانا " ہو سکتا ہے۔ عربی کا لفظ " حِکْمَۃ " اردو میں (حکمت کی املاء کے ساتھ) مستعمل ہے اور اس کے معنی میں فارسی کے لفظ " دانائی " کی نسبت وسعت بھی زیادہ ہے۔ اسی لیے اکثر اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ " حکمت والا " ،

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

"بڑا حکمت والا" سے کیا ہے ـــــ اور اگر اسے "حَکَمَ یَحکُمُ (باب نصر) سے "فعیل" سمجھیں تو اس کے معنی "بڑا حکم دینے والا، بڑا حاکم" بھی ہو سکتے ہیں۔

اور بعض نے یہاں اسے فَعِیل بمعنی "مُفْعِلٌ" لیا ہے یعنی اس مادہ سے باب اِفعال "اَحکَمَ یُحکِمُ اِحکامًا" (بمعنی "کسی چیز کو مضبوط کرنا"، "پختگی سے کرنا"، "عمدہ طریقے پر بنانا") ـــ سے اسم الفاعل کے معنی میں لیا ہے۔ اور شاید اسی لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ "پختہ کار" کیا ہے۔

۲ : ۲۲ : ۲ الاعراب

زیر مطالعہ دو آیات میں سے ہر ایک آیت ایک لمبا جملہ ہے۔ ویسے پہلی آیت (۳۱) دراصل تین مکمل اعرابی جملوں پر مشتمل ہے جو حروف عاطفہ (ثم اور فاء) کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ دوسری آیت (۳۲) بھی دراصل تو تین چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے مگر تمام جملے "قالوا" کے مقول ہونے کی بنا پر ایک ہی مربوط جملہ شمار ہو سکتا ہے۔ اعراب کی تفصیل یوں ہے:

(۱) وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملٰئکة فقال انبئونی باسماء هولاء ان کنتم صدقین۔ اس آیت کو تین جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) **پہلا جملہ** "وعلم آدم الاسماء کلھا" ہے۔

اس جملے کی ابتدائی واو [وَ] یہاں مستانفہ ہے کیونکہ واو العطف سمجھ کر اس جملے کو اس سے پہلے (سابقہ) جملے کے آخری حصے کے ساتھ ملانے سے عبارت بنتی ہے "اعلم ما لا تعلمون وعلّم آدم" (میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اس نے سکھایا آدم کو) کا بلحاظ مضمون کوئی تُک نہیں بنتا۔ لہٰذا یہ واو استیناف (ایک نئے جملہ کے شروع ہونے) کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

● البتہ چونکہ واقعہ وہی (آدمؑ کا) بیان ہو رہا ہے اور یہ عبارت (عَلَّمَ آدمَ) بھی اسی قصے کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے بعض نحوی حضرات یہاں اس " وَ" کے بعد والے جملے (عَلَّمَ آدم ....) کو اس " واو" کے ذریعے ایک مقدر (UNDERSTOOD) عبارت پر عطف سمجھتے ہیں جسے پڑھنے والے کا ذہن سمجھ سکتا ہے گویا سابقہ آیت (۳۰) جس میں خلیفہ بنانے کا ذکر آیا ہے) کے بعد کچھ اس طرح کی عبارت مقدر ہے " فجعل فی الارض خلیفۃ سماہ آدم " پس اس نے زمین میں ایک نائب بنایا جس کا نام آدم رکھا) پھر اس آدم کے بارے میں اگلی بات " وعلّم آدم ...." شروع ہوتی ہے — قصہ گوئی کے ادبی انداز بیان میں — بلکہ بعض دفعہ عام گفتگو میں بھی — ایسی محذوف یا مقدر عبارتوں کا رواج عام ہے جس سے پیدا ہونے والے خلاء ( ) کو قاری یا سامع کا ذہن خود پُر کر لیتا ہے۔ اس قسم کے محذوف کلمات اور مقدر عبارات قرآن کریم میں بکثرت سامنے آئیں گی۔ یہ کلام کا عیب نہیں بلکہ خوبی ہے جس سے تھوڑے لفظوں میں زیادہ بات سمجھا دی جاتی ہے۔

بہر حال اردو ترجمہ واو مستانفہ کا بھی " اور" سے کیا جاتا ہے [دیکھئے ۲:۷:۱(۱)]۔ [عَلَّمَ] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل "ھو" ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [آدم] اس فعل (علّم) کا مفعول بہ اول (لھذا منصوب ہے علامت نصب "م" کی فتحہ (ـَ) ہے اس لیے کہ " آدم" غیر منصرف ہے اور [الاسماء] فعل "علّم" کا مفعول بہ ثانی ہے جس میں علامت نصب آخری ھمزہ کی فتحہ (ـَ) ہے۔ (یہ فتحہ لام تعریف کی وجہ سے تنوین کی بجائے رہ گئی ہے) [کُلَّھَا] میں لفظ "کُلّ" تاکید کے لیے ہے[1] اس لیے منصوب ہے۔

[1] توکید یا تاکید چار مشہور توابع (صفت، بدل، تاکید اور معطوف) میں سے ایک ہے جو عموماً "کلّ ، نفسٌ ، جمیعٌ ، عَینٌ ، کِلاَ .... اور کِلتا ...." کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے اور کلمۂ تاکید کا اعراب ہمیشہ اپنے مؤکَّد کے اعراب کے مطابق ہوتا ہے (جیسا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid

علامتِ نصب " لام " کی فتحہ (ـَ) ہے ۔ جو آگے مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف (تنوین سے خالی) بھی ہے ۔ اس کے بعد " ھا " ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اور یہ وہ ضمیر ہے جو تاکید معنوی کے کلمات (عین ، کل وغیرہ) کے بعد آتی ہے اور جو ہمیشہ (بلحاظ جنس و عدد) اپنے مؤکَّد کے مطابق ہوتی ہے۔ یہاں لفظ " الاسماء " مؤکَّد (متبوع) ہے اور چونکہ وہ جمع مکسر ہے اس لیے ضمیر مجرور واحد مؤنث (ھا) لائی گئی ہے اور " الاسماء " کے منصوب ہونے کی وجہ سے کلمۂ تاکید (کل) بھی منصوب ہے۔

(۲) **دوسرا ضمنی جملہ** " ثم عرضھم علی الملٰئکۃ " ہے۔ جس میں [ثُمَّ] حرفِ عطف ہے جس سے بعد والا جملہ سابقہ جملے پر عطف ہے۔ [عرضھم] میں " عرضَ " فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل " ھو " ہے۔ جس کا مرجع " اللّٰہ تعالیٰ " ہے ۔ اور ضمیر منصوب " ھم " یہاں اس فعل کا مفعول بہٖ ہے (یعنی سامنے کیا " ان " کو) ۔ یہاں ضمیر " ھم " کا مرجع کیا ہے ؟ اور " عرض " یعنی پیش کرنے کا طریقہ کیا تھا ؟ اس پر تفصیلی بحث تو کسی مستند تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ البتہ نحوی اعتبار سے یہاں یہ ضمیر ان " مسمّیات " کے بارے میں جن کے نام سکھائے گئے اور چونکہ اس میں عاقل اور غیر عاقل ہر طرح کی چیزوں کے نام شامل تھے لھذا اہلِ عرب کے اندازِ کلام کے مطابق ضمیر " عاقلوں " کے لیے لائی گئی ہے ۔ جیسے مذکر مؤنث کے مجموعی ذکر (بطور مبتدأ یا فاعل یا مفعول وغیرہ) میں صیغۂ مذکر ہی اختیار کیا جاتا ہے ۔ یہ کلام عرب کی خصوصیت اور اس لئے نحو کا مشہور قاعدہ ہے ۔ [علی الملٰئکۃ] جار مجرور مل کر متعلق فعل (عرضَ) ہیں ۔ جس میں فعل " عرض " کے بارے میں وضاحت ہے یعنی کس کے سامنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہ تمام توابع اعراب میں اپنے متبوع کے مطابق ہوتے ہیں) ۔ کلمہ تاکید کے بعد ہمیشہ ایک مجرور (مضاف الیہ) ضمیر آتی ہے جو اپنے متبوع کے موافق (جنس ، عدد وغیرہ میں) ہوتی ہے ۔ ضرورت ہو تو نحو کی کسی کتاب میں سے توابع کے بیان میں " تاکید " کے قواعد پر نظر ڈال لیں۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

پیش کیا ؟" کا جواب ہے ۔

(۳) **تیسرا ضمنی جملہ** " فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین " ہے ۔ اس میں [فقال] کی فاء (فَ) عاطفہ ہے جس میں پہلے اور دوسرے جملے میں بیان کردہ (چیز یا کام) میں ترتیب کا مفہوم ہوتا ہے۔ (یعنی پھر، اس کے بعد) ۔ اور " قال " فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل " ھو " ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۔ اسی ترتیب والے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مترجمین نے یہاں " فقال " کا ترجمہ " پیش کر کے فرمایا " کے ساتھ کیا ہے۔

[انبئونی] (یہ اس کا رسمِ املائی ہے رسمِ عثمانی پر آگے بات ہوگی) میں " انبئوا " فعل امر کا صیغہ (جمع مذکر حاضر) ہے جس میں آخری واو الجمع ضمیرِ فاعلین " انتم " کے لیے ہے اور " نی " میں نونِ وقایہ اور " ی " ضمیر منصوب متصل ہے ۔ اس طرح گویا " ی " یہاں فعل " انبئوا " کا مفعول بہ ہے ۔ اور ضمیر ساتھ لگنے سے فعل " انبئوا " کی واو الجمع کے بعد والا (آخری) زائد الف گر جاتا ہے ۔ [باسماء] میں " بِ " جار ہے اور یہ وہ صلہ ہے جو فعل " انبأ " کے مفعول ثانی پر داخل ہوتا ہے اور " اسماء " مجرور ہے اور " اسماء " آگے مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف ہے یعنی اسماءٍ کی بجائے " اسماءِ " رہ گیا ہے ۔ اور [ھؤلاءِ] اسم اشارہ قریب برائے جمع (مذکر و مؤنث) ہے اور یہ ہمیشہ مبنی بر کسرہ ہوتا ہے۔ یعنی اس لفظ کے آخر پر تینوں حالتوں میں کسرہ (ـِـ) ہی رہتی ہے ۔ یہاں یہ " ھؤلاءِ " لفظ " اسماءِ " کا مضاف الیہ ہو کر مجرور ہے اور یہ پورا مرکب جاری (باسماء ھؤلاءِ) ایک لحاظ سے فعل " انبئونی " کے مفعول ثانی کا کام دینے کی وجہ سے محلاً منصوب قرار دیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے " انبئونی باسماء ھؤلاءِ " کو غیر قرآن میں " انبئونی اسماءَ ھؤلاء " کہنا درست ہے۔

اسی لیے اس ترکیب کے اردو ترجمہ میں اس صلہ (بِ) کو نظر انداز کرنا پڑا اور اسی لیے اس کا بالکل لفظی ترجمہ " مجھے خبر دو ساتھ ان کے ناموں کے " کی بجائے تمام

© rasailojaraid

مترجمین نے اس کا ترجمہ "مجھے ان کے نام بتاؤ" سے کیا ہے۔ ("انبأ ہ الخبر اور انبأہ بالخبر" کے استعمال پر اوپر حصہ "اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے)۔

[اِنْ] حرفِ شرط ہے [کنتم] فعل ناقص صیغہ ماضی ہے جس میں اس کا اسم "انتم" مستتر ہے۔ یہاں "کنتم" کو "اِنْ" کی وجہ سے محلاً مجزوم کہہ سکتے ہیں اگرچہ صیغۂ ماضی ہونے کے باعث اس پر "اِن" جازمہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ [صادقین] خبر کان (کنتم) ہے۔ اس لیے منصوب ہے، علامتِ نصب اس کے آخری "نون" سے پہلے والی یائے ماقبل مکسور (ـِ ی) ہے۔ اس شرطیہ جملے (ان کنتم صادقین) کا جوابِ شرط یا تو اس جملے کے بعد ایک مقدر "فأنبئونی" ہے (یعنی اگر تم سچے ہو تو پھر مجھے بتاؤ) — یا جوابِ شرط پہلے (بصورت "انبئونی باسماء ھؤلاءِ") آگیا ہے یعنی کل عبارت کی سادہ نثر یوں ہے "ان کنتم صادقین (فَ) انبئونی باسماء ھؤلاء" — اور یہ ساری عبارت ابتدائی "فقال" کا مقول ہو کر محل نصب میں ہے۔

(۲) قالوا سبحٰنکَ ۔ لا علمَ لنا الا ما علمتنا ۔ انک انت العلیم الحکیم ۔ بلحاظِ اعراب یہ آیت بھی بنیادی طور پر تین جملوں پر مشتمل ہے جو مل کر ابتدائی فعل "قالوا" کے مقول ہیں۔ [قالوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعلین "ھم" ہے جو یہاں فرشتوں (الملائکہ) کے لیے ہے۔ اس کے بعد

۱۔ پہلا جملہ [سبحانك] ہے یہ بظاہر مرکب اضافی ہے لیکن دراصل اس سے پہلے ایک فعل "نسبّح" محذوف ہے (ہم پاکیزگی بیان کرتے ہیں)۔ اس فعلِ محذوف کی وجہ سے ہی "سبحانَ" منصوب ہے کیونکہ یہ اس فعل کا مفعول مطلق ہو کر استعمال ہوا ہے (اصل مصدر "تسبیح" تھا مگر عربی میں اصل باب کی بجائے کسی دوسرے ہم معنی باب کا مصدر بھی بطور مفعول مطلق استعمال کر لیا جاتا ہے)۔ اور یہ منصوب مفعول مطلق (جو دراصل سبحانًا تھا) یہاں سے

© rasailojarai
© rasailojarai

آگے مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف (سبحانَ) رہ گیا ہے اور اس کا مضاف الیہ آخر پر ضمیر مجرور "کَ" ہے اور یہ لفظ (سُبْحَانَ) ہمیشہ مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، اسم موصول بھی یا کوئی ضمیر بھی۔ مثلاً " سبحان اللہ ، سبحانَ ربّی ، سبحانَ مَنْ لا ینسی (جو بھولتا نہیں) سبحانہ" وغیرہ کی صورت میں ___ ان تمام صورتوں میں " سبحان " کا بامحاورہ ترجمہ " پاک ہے " کیا جاتا ہے (دیکھئے حصہ " اللغۃ " ۲:۲۲:۱(۶))

● بعض نحویوں نے یہاں " سبحانَکَ " میں لفظ " سبحان " کی نصب کی ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے۔ ان کے نزدیک یہاں (بلکہ ہر جگہ) " سبحان " کو منادی مضاف قرار دے کر منصوب سمجھا جا سکتا ہے[1]۔ ہمارے خیال میں یہ بھی ایک عمدہ توجیہ ہے۔ قرآن کریم میں " یاحسرتی " ، " یاویلتیٰ " کی صورت میں اس سے ملتی جلتی تراکیب موجود ہیں۔ اس طرح " سُبْحَانَکَ " کا لفظی ترجمہ " اے تیری پاکیزگی " (جیسے " ربّنا " کا مطلب " اے ہمارے رب " ہے)۔ بہر حال نصب کی وجہ مفعول مطلق ہونا سمجھیں یا منادی مضاف ہونا اس (سبحانکَ) کا بامحاورہ اردو ترجمہ جملہ اسمیہ کی صورت میں " تو پاک ہے " کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک آدھ مترجم نے " پاکی ہے تجھے " کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے جو لفظی ترجمہ " تیری پاکی " سے قریب تر ہے۔

۲۔ دوسرا جملہ " لاعلم لنا الا ماعلمتنا " ہے۔

اس میں [لا] نفی الجنس کے لیے ہے جو اپنے اسم کو نصب دینے میں حروف مشبہ بالفعل سے مشابہ ہے (اس فرق کے ساتھ کہ اس کے اسم پر تنوین نصب نہیں آتی۔ یعنی دو کی بجائے ایک فتحہ (ــَـ) رہ جاتی ہے۔ [عِلمَ] یہ اس لائے نفی جنس کا اسم ہے جو منصوب ہے مگر مبنی بر فتحہ (کی طرح) ہے۔ [لَنَا] جار (ل) اور مجرور (نا) مل کر " لا " کی محذوف خبر (مثلاً موجودٌ یا کائنٌ یا ثابتٌ وغیرہ) سے متعلق

---

[1] دیکھئے اعراب القرآن للنحاس، ج ۱، ص ۲۱۰

© rasailojaraid.

ہیں۔ یعنی اس میں اس سوال کا جواب ہے کہ یہ "کسی قسم" کا علم "کس" کے پاس نہیں ہے؟ [اِلَّا] حرفِ استثناء ہے اور یہ نفی کے بعد آئے تو "حصر" (محدود کر دینا) کے معنی پیدا کرتا ہے اس لیے اس (اِلَّا) کا بامحاورہ اردو ترجمہ "مگر اتنا ہی، مگر وہی" سے کیا جاتا ہے۔ [مَا] اسم موصول ہے بمعنی "جو کچھ کہ"۔ اس طرح "اِلَّا مَا" کا ترجمہ "مگر اتنا ہی جو کچھ کہ" بنتا ہے جس کی مزید بامحاورہ صورت "مگر جتنا" اختیار کی گئی ہے۔ [عَلَّمْتَنَا] یہ جملہ فعلیہ ہے۔ (جو فعل ماضی مع ضمیرِ فاعل "انتَ" اور ضمیر مفعول "نا" پر مشتمل ہے اور اس میں ایک ضمیر عائد محذوف بھی ہے یعنی دراصل "علمتناہ" تھا) اور یہ موصول (مَا) کا صلہ ہے۔ اور یوں یہ صلہ موصول مل کر (ما علَّمتَنا) محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ لائے نفی جنس کے بعد جب "اِلَّا" آئے اور "اِلَّا" سے پہلے لائے نفیِ جنس کی خبر محذوف ہو تو پھر "اِلَّا" کے بعد والا اسم مرفوع ہوتا ہے جیسے "لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہُ" میں "اللّٰہُ" مرفوع ہے ___ اگر "لا" کی خبر "اِلَّا" سے پہلے موجود ہو یعنی اِلَّا سے پہلے کلامِ تام (مکمل جملہ) ہو تو "اِلَّا" کے بعد والے اسم کو مستثنیٰ "بالَّا" سمجھ کر منصوب پڑھتے ہیں (اگر وہ کوئی جملہ ہو تو محلاً منصوب ہوگا) مثلاً اگر جملہ "لَا اِلٰہَ موجودٌ" ہو تو اس کے بعد "اِلَّا اللّٰہَ" (منصوب) پڑھ سکتے ہیں۔

نحوی نقطۂ نظر سے یہاں "مَا" کو موصولہ کی بجائے مصدریہ بھی سمجھا جا سکتا ہے یعنی "اِلا ما علمتنا" کی تقدیر (اندازہ کے مطابق عبارت) مصدر مؤوّل (فعل سے مصدر بنا کر) کے ساتھ کچھ یوں ہوگی "اِلَّا تعلیمُکَ اِیّانا" اس میں "تعلیم" (جو "عَلَّم" کا مصدر مؤوّل ہے) کی رفع کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ دوسری تقدیر عبارت "اِلَّا علمٌ علَّمتَنا" ہو سکتی ہے۔ اس میں "علمٌ" نکرہ موصوفہ ہو کر وہی اسم موصول والے معنی دے گا۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

● بہرحال " مَا " کو موصولہ سمجھ کر ترکیبِ نحوی کو سمجھنا نسبتاً آسان ہے۔ اور بامحاورہ اردو ترجمہ کے لیے موزوں بھی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اردو کے کسی مترجم نے بھی یہاں " مَا " کو مصدریہ سمجھ کر ترجمہ نہیں کیا۔

۳۔ تیسرا ضمنی جملہ " اَنَّکَ انت العلیم الحکیم " ہے۔

اس میں [اِنَّکَ] " اِنَّ " اور اس کے اسم (ضمیر منصوب متصل " کَ ") پر مشتمل ہے۔ [اَنْتَ] ضمیر فاصل ہے جس کا اردو ترجمہ " تو ہی " یا " تُو ہی تو " ہے۔ اور [العلیمُ] " اِنَّ " کی خبر اول (لہذا) مرفوع ہے۔ اور [الحکیمُ] اسی " اِنَّ " کی خبر ثانی (لہذا یہ بھی) مرفوع ہے۔ ان دونوں خبروں میں علامتِ رفع آخری " میم " کا ضمہ (ـُـ) ہے۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہاں " اَنت " کو (جو ضمیر مرفوع منفصل ہے) مبتدأ سمجھا جائے اور " العلیم الحکیم " کو اس کی دو معرفہ خبریں (اول ثانی) سمجھا جائے اور یہ پورا جملہ اسمیہ (انت العلیم الحکیم) " اِنّ " کی خبر قرار دیا جائے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ " الحکیم " کو " العلیم " کی صفت سمجھا جائے (بعض نحویوں کے نزدیک صفت کی صفت لائی جاسکتی ہے[۱]) یعنی ایسا " العلیم " جو " الحکیم " بھی ہے۔ (اور حصہ " اللغۃ " میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ یہاں " الحکیم " " حکمت والا " کے علاوہ " حاکم " (فیصلہ کرنے والا) اور " مُحکِم " (پختہ کار) دونوں معنی میں لیا جاسکتا ہے)۔

ـــــ اس طرح بھی " العلیم الحکیم " مرکب توصیفی ہوکر " انتَ " کی خبر معرفہ ہوگا اور خبر کی تعریف (معرفہ ہونا) کی بنا پر بھی اردو ترجمہ میں " ہی " کا اضافہ ہوگا یعنی " تو علیم و حکیم ہی تو ہے "۔ اور اس صورت میں بھی یہ جملہ " انت العلیم الحکیم " " اِنّ " ہی کی خبر بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اردو مترجمین نے ان دو کلمات (العلیم اور الحکیم) کے ترجمہ میں ان کے درمیان " اور " لگانے

---

[۱] التبیان (للعکبری) ج ۱، ص ۴۹ و اعراب القرآن (للنحاس) ج ۱، ص ۲۱۱

© rasailojarai
© rasailojarai
© rasailojarai

سے گریز کیا ہے۔ یعنی دو خبروں کی بجائے صفت موصوف سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۲ : ۲۲ : ۳ الرسم

اس (زیرِ مطالعہ) قطعۂ آیات کے بیشتر کلمات کا رسم عثمانی اور رسم املائی (عام املاء) یکساں ہے۔ صرف چھ کلمات کا رسم توجہ طلب ہے یعنی ۔ " ادم۔ الملئکۃ۔ انبونی۔ ھؤلاء ۔ صدقین اور سبحنک "۔ تفصیل یوں ہے :

(۱) " اٰدَمُ " : یہ لفظ عام املاء میں اور قرآن کریم میں بھی اسی طرح ایک الف کے ساتھ (ادم) لکھا جاتا ہے بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ تمام اسماء و افعال جو مھموز الفاء مادہ سے ہوں۔ جب " اَفْ " یا " فَا " کے وزن سے شروع ہوں (یعنی أأُ یا أَا کی صورت میں) تو یہ " اَفْ " یا " فَا " صرف ایک " ا " کی شکل میں لکھے جاتے ہیں یعنی صرف ایک الف کی شکل میں جس سے پہلے یا بعد کا ایک ھمزۂ متحرکہ یا ساکنہ لکھنے میں محذوف کر دیا جاتا ہے[1] مگر پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو بذریعہ ضبط ظاہر کرنے کے مختلف طریقے ہیں (جس کا بیان ضبط میں آئے گا) یہ قاعدہ اس سے پہلے لفظ " الاخرۃ " (البقرہ : ۴) کے ضمن میں بھی مفصل بیان ہوا تھا [دیکھئے ۲ : ۳ : ۳ اور ۲ : ۳ : ۴ میں]۔

(۲) المَلٰئِکَۃ : جس کا رسم املائی " الملائکہ " ہے۔ اس کے رسم عثمانی پر اس سے پہلے البقرہ : ۳۰ یعنی ۲ : ۲۱ : ۳ (۴) میں بھی بات ہوئی تھی کہ یہ لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ بحذف الالف بعد اللام لکھا جاتا ہے ۔ اور ترکی، ایران اور بعض دفعہ برصغیر کے مصاحف میں جو اسے رسم املائی کی طرح لکھنے کا رواج نظر آتا ہے، یہ رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے ۔

(۳) اَنْبِئُوْنِیْ : جس کی رسم املائی " انبئونی " ہے۔ یہ لفظ مصاحفِ عثمانی میں " انبونی " (حرکات و نقاط یعنی شکل کے بغیر) لکھا گیا تھا۔ [بلکہ ایک آدھ

---

[1] اس قاعدہ کی بحث کے لیے دیکھئے نثر المرجان ج ۱ ص ۱۲۶

© rasailojarai

قراءت (خارج از سبعہ) میں یہ لفظ اسی رسم کی بناء پر " انبئُونی " بر وزن " اَعطونی " ـــ لام کلمہ کے سقوط کے ساتھ ـ بھی پڑھا گیا ہے[1]] اور اس رسم (انبونی) کی ایک وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ دراصل تو یہ " انبئُونی " تھا ـ کیونکہ اس زمانے کی املاء کے لحاظ سے ہمزۂ مضمومہ ہمیشہ " و " پر لکھا جاتا تھا بلکہ یوں کہیے کہ ہمزۂ مضمومہ کی بجائے بھی صرف " و " لکھی جاتی تھی ـ (ہمزہ ، حرکات اور نقاط تو بعد کی ایجادیں)ـــ اور ماقبل مضموم یا مفتوح ہونے کی صورت میں اب بھی یہی (ہمزہ کو " واو " پر لکھنے کا) قاعدہ ہے ـ کسرہ کا قاعدہ بدلا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا] ـ تاہم رسم عثمانی (یعنی مصاحفِ عثمانی) میں دو الف یا دو واو یا دو یاء جمع ہونے کی صورت میں صرف ایک الف ، ایک واو اور ایک یاء ہی لکھے گئے تھے جس کی مثال علی الترتیب اادم = ادم ، داودد = داود اور امیین = امین ہے ـ رسم عثمانی کے اس قاعدہ (جو بعد میں علمائے رسم نے مصاحفِ عثمانی کی املاء پر غور کرنے کے بعد مستنبط کیا) کی بناء پر ہی " انبودنی " کو " انبونی " لکھا گیا (نقطوں کے بغیر) ـ پھر جب ضبط کے لیے " ب " اور " و " کے درمیان ہمزہ (ء یا E یا S وغیرہ کی شکل میں) ڈالا گیا تو دوسری تیسری ہجری کے بعد ہونے والے قواعدِ املاء کے مطابق یہاں یائے مہملہ (نقطوں کے بغیر) کا نبرہ (دندانہ) جسے مرکز ہمزہ بھی کہتے ہیں لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ اب ہمزۂ متوسطہ مضمومہ صرف ماقبل کے ضمہ (ـُ) یا فتحہ (ـَ) کی صورت میں ہی " و " پر لکھا جاتا ہے جب کہ کسرہ (ـِ) کے بعد اسے نبرۂ یاء (یاء کے دندانہ) پر لکھا جاتا ہے[2] تاہم قرآن کریم کے اصل رسم عثمانی پر ایک نبرہ (دندانہ) کا اضافہ بھی جائز نہ سمجھا گیا ـ اور اسی لیے (جیسا کہ آپ آگے " الضبط " میں دیکھیں گے) اس ہمزہ کو یہاں ہمیشہ بغیر نبرہ (دندانہ) کے " ب " اور " و " کے درمیان ہی لکھا جاتا

---

[1] اتحاف فضلاء البشر (للبناء) ج ۱ ص ۱۴ ۳۸ اور کتاب الاشارات (بابڑ زئی) ص ۲

[2] کتاب الکتاب (لابن دستوریہ) ص ۱۳ ـ نیز نخبۃ الاملاء (للخلیفہ) ص ۱۴

© rasailojaraid.

ہے ۔صرف ایرانی مصاحف میں اس لفظ کو عام عربی املاء کی طرح بصورت" ابنؤنی" لکھنے کا رواج ہو گیا ہے ۔ جو رسم قرآنی کی خلاف ورزی ہے ۔

(۴) ھٰٓؤُلَآءِ : جس کی مصاحف عثمانی کی املاء " ھولٰا " تھی (حرکات کی طرح ہمزہ کی علامت بھی بعد کی ایجاد ہے) جو اگرچہ روایت حفص کے مطابق " ھَا أُلَاءِ " کی طرح پڑھا جاتا ہے ۔ تاہم اس کے آخری ھمزہ اور اگلے لفظ (اِنْ) کے اجتماع ھمزتین کی بنا پر " ھٰؤلاء اِن " کے مختلف قراءات میں پڑھنے اور ان کے مطابق ضبط کے بھی مختلف طریقے ہیں[1] ۔ جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں کیونکہ ہمارا دائرہ کار روایت حفص تک محدود ہے[2] ۔

● بہر حال یہ لفظ پہلے الف (بعد الھاء) کے حذف کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور پھر ھمزہ کے مضموم ہونے کے باعث اس کے لیے " واو "(کی کرسی) ڈالی جاتی ہے (یعنی ھمزہ " ؤ " پر لکھا جاتا ہے) اور اس لفظ کی یہی املاء (ھٰؤلاء) عام عربی املاء کے لیے بھی اختیار کر لی گئی ۔ خیال رہے کہ اس میں ھمزہ کی مکتوبی علامت یا شکل (ء ، E ، S وغیرہ) بعد کی ایجاد ہے ۔ اگرچہ ھمزہ پڑھا پہلے بھی جاتا تھا ــــ گویا اس لفظ کی املاء صوتی اصول کے تحت نہیں بلکہ تاریخی اصول کے تحت اختیار کی گئی اور یوں اس کی عام املاء بھی (بہت سے دوسرے کلمات کی طرح) رسم عثمانی کی یادگار ہے[3] ۔

---

[1] جس کی تفصیل قراءات کی کسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے مثلاً اتحاف فضلاء البشر (للبناء) ج ۱ ص ۳۸۴ بعد ۔ یا الغایۃ (للنیسابوری) ص ۹۹ ــــ اور در اصل تو یہ کسی ماہر قراءات قاری سے سننے کی چیز ہے ۔

[2] دیکھئے مقدمہ لغات و اعراب ۔ ماہنامہ حکمت قرآن فروری ۱۹۸۹ء ص ۲۰ - ۱۹ ۔

[3] اس لفظ کی عام املاء کے قواعد کے لیے دیکھئے کتاب الکتاب (لابن درستویہ) طبع بیروت ص ۳۴ ۔ نیز نخبۃ الاملاء (للخلیفہ) ص ۵۹ ۔ اور اسی لفظ کے قرآنی رسم کے قاعدہ کے لیے دیکھئے تلخیص الفوائد (شرح العقیلہ) ص ۷۲

© rasailojaraid

(۵) صدقین : جس کی عام عربی املاء " صادقین " ہے - یہ لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ رسم عثمانی کے مطابق بحذف الالف بعد الصاد لکھا جاتا ہے - بلکہ وزن " فاعل " والے تمام کلمات کی جمع مذکر سالم میں حذف الف (بعض مستثنیات کو چھوڑ کر) قریب قریب ایک قاعدہ کلیہ ہے[1] بہرحال ہم انشاء اللہ محض اصول رسم بیان کرنے کی بجائے ایک ایک کلمہ کے رسم پر (حسب موقع) الگ الگ بات کریں گے۔
اس لفظ کو بھی ایرانی اور ترکی مصاحف میں باثبات الف (صادقین) لکھنے کی غلطی عام ہے۔

(۶) سُبۡحٰنَكَ : اس کی عام املاء (رسم املائی) " سبحانك " ہے - تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ یہاں بحذف الالف بعد الحاء (سُبۡحٰنَكَ) لکھا جاتا ہے یہ لفظ (سبحٰن) قرآن کریم میں اکتالیس بار آیا ہے - اور ہر جگہ اسی طرح بحذف الالف (سُبۡحٰنَ) لکھا جاتا ہے ماسوائے ایک جگہ (الاسراء : ۹۳) کے جہاں بعض روایات کے مطابق اسے باثبات الف (سبحان) لکھا جاتا ہے[2]

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی بھی قطعہ زیر مطالعہ کی ابتداء میں ہم آیت یا آیات کو رسم عثمانی کے مطابق ہی لکھتے ہیں - آگے " اللغۃ "، "الاعراب" یا " الرسم " میں زیر بحث لکھتے وقت ہم بعض دفعہ قاری کی آسانی کے لیے بعض کلمات کو رسم املائی کے ساتھ لکھ کر بھی مزید وضاحت کرتے ہیں - اس چیز کی طرف "مقدمۂ کتاب" میں بھی اشارہ کیا گیا تھا۔

۲ : ۲۲ : ۴ الضبط

زیر مطالعہ دو آیات کے کلمات میں ضبط کے اختلاف کو مندرجہ ذیل

---

[1] اس کے تفصیلی بیان کے لیے دیکھیے المقنع (للدانی) طبع دمشق ص ۲۲ - سیر الطالبین (للضباع) ص ۳۳ اور لطائف البیان (لزیتحاد) ج ۱ ص ۱۵۔

[2] دیکھیے المقنع ص ۱۹ اور سیر الطالبین ص ۴۲۔

© rasailojaraid.c

نمونوں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے ۔ البتہ ان الفاظ میں سے ایک لفظ "انبئُونیِ" ایسا ہے کہ اس کے ضبط کے بارے میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں ۔ لھذا یہ بحث ہم پہلے کر لیتے ہیں :

● تجوید کا قاعدہ یہ ہے کہ نون ساکنہ کے بعد "باء (ب)" آئے تو اس "نون" کا تلفظ "میم" میں بدل جاتا ہے ۔ بعض ملکوں کے مصاحف میں اس "اقلاب نون بمیم" کو ظاہر کرنے اور قاری کو بروقت متنبہ کرنے کے لیے اس "نون" پر ایک باریک سی "میم" ڈال دیتے ہیں (نۢ) پھر اس "میم" کے ساتھ علامت سکون ڈالنے یا نہ ڈالنے میں اختلاف ہے ۔ عرب اور بیشتر افریقی ملکوں کے مصاحف میں عموماً اس نون ساکنہ کے اوپر یہ "میم صغیرہ" بنا دیتے ہیں اور ساتھ علامت سکون نہیں ڈالتے (اَنۢبِـ....) ۔ برصغیر میں نون پر علامتِ سکون ڈال کر ساتھ ہی چھوٹی سی "میم" لکھی جاتی ہے (اَنْۢبِـ ....) ، ترکی میں یہ میم صغیرہ ڈالنے کا رواج نہیں ہے ۔ معلوم نہیں وہاں کا قاری کس طرح اس نون کو میم پڑھتا ہے ؟ بعض افریقی ملکوں میں نون کے اوپر علامتِ سکون کی بجائے نیم گول دائرے کی شکل میں "میم" لکھتے ہیں (اَنۢبِـ....) ۔ جب کہ تجویدی قرآن (مطبوعہ پاکستان) میں "ن" کے اوپر باریک سی "م" لکھ کر پھر اس کے اوپر بڑی سی علامتِ سکون نیم دائرہ کی شکل میں لکھی گئی ہے یعنی (اَنۢبِـ) کی شکل میں ۔

● اس کلمہ "انبئونی" کے ضبط میں دوسرا اہم فرق "ب" کے بعد آنے والے ھمزہ کا طریقِ ضبط ہے ۔ چونکہ بلحاظ رسم یہ لفظ "انبـونی" ہے (درمیانی نبرہ یا دندانہ کے بغیر) اور عام قواعد املاء (عربی) کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں "ب" اور "و" کے درمیان ھمزہ ایک نبرہ (دندانہ) پر لکھا جائے[1] اس لیے ایران اور وسط

لہ "انبئونی" کے رسم و ضبط پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے نثر المرجان ج ۱ ص ۱۲۷ ۔
نیز اسی قطعہ کی بحث الرسم میں اس کلمہ (انبـونی) پر بحث یعنی ۲:۲۲:۳ (۳)

© rasailojaraid.c

ایشیا کے بعض ممالک میں یہاں ایک دندانے (نبرہ) کا اضافہ کر کے اس لفظ کو "آ نبئونی" لکھا جاتا ہے جو رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اور (جیسا کہ اوپر بحث "الرسم" میں بیان ہوا ہے) یہ لفظ دراصل "انبوونی" تھا۔ جس میں پہلی "و" تو مرکز ہمزۂ مضمومہ (مضموم ہمزہ کی کرسی) کے لیے تھی اور دوسری "و" صیغۂ جمع (مخاطب) کی واو الجمع تھی۔ مگر اجتماع مثلین (ایک ہی حرف علت کا دوبار یکجا واقع ہونا) کی وجہ سے ایک واو محذوف کر دی گئی۔ تاہم اس میں یہ اختلاف ہوا کہ دراصل پہلی واو (ہمزہ والی) حذف ہوئی ہے یا دوسری (واو الجمع)۔ جن لوگوں نے پہلی واو (مرکز ہمزہ والی) کو محذوف سمجھا انہوں نے واو ثابتہ (جو حذف نہیں ہوئی) سے پہلے کسی نبرہ یا مرکز کے بغیر ہی ہمزہ لکھا۔ چنانچہ برصغیر، عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں یہ ہمزہ "ب" اور "و" کے درمیان بغیر نبرہ (دندانہ) کے لکھا جاتا ہے (البتہ ہمزہ کی شکل مختلف ہوتی ہے۔ یعنی ء، ؏، ٤ وغیرہ) ــــ اس (ہمزہ) کے بعد برصغیر میں تو اس ہمزہ پر ضمہ (ــُـ) اور مابعد کی ساکن واو پر علامت سکون بھی ڈالتے ہیں۔ جب کہ عرب اور افریقی ممالک میں اس (آخری) واو کو علامت ضبط سے خالی رکھا جاتا ہے۔ مصحف الحلبی (مطبوعہ قاہرہ) میں یہ ہمزہ ٹھیک واو کے اوپر لکھ کر اس کے اوپر ہی ضمہ معکوس یعنی الٹا پیش (ـٗـ) لکھا گیا ہے یعنی "انبوٗنی" (داؤد کی طرح) ــ جب کہ ترکی میں اس ہمزہ کو "و" کے اوپر لکھ کر اس (و) کے نیچے باریک سا لفظ "مدّ" لکھ دیا جاتا ہے۔ "(انبوٗنی)" جس طرح وہ "اولٰٓئک" کی واو سے پہلے الف کے نیچے باریک سا لفظ "قصر" لکھ دیتے ہیں۔ تاہم ترکی والوں کا یہ طریق ضبط نہایت ناقص ہے۔ اس سے عام قاری (ناظرہ خوان) کسی طرح بھی کلمہ کے درست تلفظ سے بروقت آگاہ نہیں ہو سکتا۔

● اس لفظ "انبئونی" کے ضبط کا ایک عام فرق آخری یائے ساکنہ (ماقبل مکسور) کو علامت ضبط سے عاری رکھنے یا نہ رکھنے اور اس کے ماقبل (نون)

© rasailojaraid

کے نیچے کسرہ (ـِـ) یا علامت اشباع (ـٖـ) ڈالنے کا ہے۔
اس طرح اس لفظ (انبئونی) کے ضبط کی چھ مختلف صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جن کو درج ذیل نمونوں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وَعَلَّمَ ، عَلَّمَ / ادَمَ ، ءَادَمَ ، اٰدَمَ ، اٰدَمَ /
الْاَسْمَآءَ ، الْاَسْمَاءَ ، اَلْاَسْمَاءَ ، اَلْاَسْمَا ءَ /
كُلَّهَا ، كُلَّهَا / ثُمَّ عَرَضَهُمْ ، عَرَضَهُمْ /
عَلَى الْمَلٰئِكَةِ ، الْمَلٰئِكَةِ ، اَلْمَلٰئِكَةِ ،
الْمَلٰئِكَةِ ، اَلْمَلٰئِكَةِ / فَقَالَ ،
فَقَالَ ، فَقَالَ / اَنْبِئُونِيْ ، اَنْبِئُونِي ،
اَنْبِئُونِي ، أَنْبِئُونِي ، اَنْبِئُونِي ، اَنْبِئُونِي /
بِاَسْمَآءِ ، بِاَسْمَاءِ ، بِأَسْمَآءِ ، بِاَسْمَاءِ /
هٰؤُلَآءِ ، هٰؤُلَاءِ ، هٰؤُلَآءِ ، هٰؤُلَاءِ /
اِنْ ، اِنْ ، اِن / كُنْتُمْ ، كُنْتُمْ ، كُنْتُمْ /
صٰدِقِيْنَ ، صٰدِقِينَ ، صٰدِقِينَ ، صٰدِقِينَ /
قَالُوْا ، قَالُوا ، قَالُوْا ، قَالُوْا / سُبْحٰنَكَ ،
سُبْحٰنَكَ ، سُبْحٰنَكَ / لَا ، لَا ، لَا /

(باقی صفحہ ۸۷ پر)

© rasailojaraid
© rasailojaraid